معلوم ہونے لگی۔ وکالت کی آمدنی سے روزہ افطار کرنا بھی دشوار ہوگیا۔ تلاوتِ قرآن سے بجائے سکون نصیب ہونے کے دل گھبرانے لگا اور میں عجیب و غریب کشمکش میں پڑ گیا۔ کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ وکالت کے ساتھ صحیح اسلامی زندگی کا جوڑ کسی طرح بیٹھتا ہی نہیں تھا۔ وکالت چھوڑتا ہوں تو ساری زندگی کی محنت بیکار ہوئی جاتی ہے اور تمام امیدوں پر پانی پھرا جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ ایک مستقل سوال میرے پیشِ نظر رہنے لگا کہ کیا کروں۔ آیا ضمیر کی آواز کو دبا دوں اور دنیا کماتا رہوں یا ایمان سنبھالوں۔

جناب سید مجتبیٰ صاحب نے آخر میں پیشۂ وکالت پر اخلاقی اور شرعی نقطۂ نظر سے بڑی مدلل بحث کی ہے۔ اسی ضمن میں وہ فرماتے ہیں:

"واقعات شاہد ہیں کہ اگر کوئی مؤکل روپیہ خرچ کر سکتا ہے اور مقدمہ کی اچھی پیروی کر سکتا ہے تو وہ سنگین جرموں کی پاداش سے بھی آخر میں کسی نہ کسی عدالت سے چھوٹ ہی جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ روزمرہ اسی قسم کے مقدمات ہوتے رہتے ہیں کہ اصل مجرم قانون کی پیچیدگیوں اور وکیلوں کی قابلیت کی بدولت چھوٹ جاتے ہیں۔ قاتل، چور اور ڈاکو بغلیں بجاتے، سینہ تانے وکیلوں ہی کے طفیل جیل خانوں سے باہر آجاتے ہیں۔"

اس پورے شمارے میں اسی قسم کے احساسات قلمبند کیے گئے ہیں۔ اس نوع کی تحریریں جو ایک صاحبِ دل انسان کے قلم سے نکلیں وہ عملی اعتبار سے بڑی نافع ہوتی ہیں وہ حضرات جو آج ماحول کے تقاضوں اور ایمان کے مطالبات کے درمیان اپنے آپ کو گھرا ہوا محسوس پاتے ہیں انہیں اس کتابچے میں انشاء اللہ بڑی تسکین کا سامان ملیگا۔

رابعہ بصری | تالیف سیدہ وداد السکاکینی۔ ترجمہ: عبدالصمد صارم الازہری طابع و ناشر